مقالات

محترمہ ثریا بتول کیلانی

قسط (۳) آخری

خاندانی منصوبہ بندی

قومی لحاظ سے شور برپا ہے کہ آئندہ ۲۳ سال میں ملک کی آبادی ۲۳ کروڑ ہو جائے گی۔ کہیں کہا جاتا ہے، پاکستان کی آبادی اتنی جلدی اتنی زیادہ ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ قومی لحاظ سے بھی تحریک ضبطِ ولادت بڑی مضرت رساں ہے، کیوں کہ جہاں نفری کم ہو وہاں دفتروں اور کارخانوں کا کام کیسے چلے ؛ آج کے مشینی دور میں مشینوں سے زیادہ کام لیا جائے تو بھی کئی مسائل پیدا ہوتے ہیں، مثلاً ایک قوم کے متعدد افراد کی بیکاری، پھر اس بیکاری کی بنا پر کمزوری صحت، جب کہ کام کاج میں مصروف رہنے والی قوم صحّت مند افراد پیدا کرتی ہے۔ دوم یہ کہ مشینوں کی درآمد کے لیے دوسرے ممالک کا دستِ نگر ہونا پڑتا ہے۔ پھر ان کے ماہرین کی خدمات، فالتو پرزے ان من پسند شرائط پر خریدنا جن سے ترقی پذیر ملکوں کا سرمایہ مسلسل ان کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔ دفاعی لحاظ سے ملک میں آبادی کی کثرت ہی مفید ہوا کرتی ہے۔ ہمارا ازلی و ابدی دشمن اسرائیل کس طرح برابر اپنی افرادی قوت میں اضافہ کر رہا ہے۔ گو وہ ایک چھوٹا سا خطۂ زمین ہے اور اس کا رقبہ محدود ہے، مگر اس کے باوجود خود افزائشِ نسل پر عمل پیرا ہے، ساتھ ہی ساتھ وہ دنیا کے تمام خطوں سے یہودیوں کو طمع و تحریص اور گراں قدر انعامات کے ذریعے اپنے وطن اسرائیل میں بسا رہا ہے۔ دوسری طرف اشتراکی دشمنوں کو دیکھیے، وہ بھی ضبطِ ولادت کی تحریک کے مخالف ہیں اور افزائشِ نسل ان کی پالیسی کا بنیادی اصول ہے۔ چین اور رُوس جیسے طاقتور ملک آخر کیوں اپنی افرادی قوت میں مسلسل اضافہ کر رہے ہیں ؛ صرف اس لیے کہ وہ اس نکتہ سے آگاہ ہیں کہ آج کے دور میں وہی مُلک مضبوط و مستحکم ہے جس کے پاس افرادی قوت زیادہ ہے۔ جنگِ عظیم اول اور دوم میں برتھ کنٹرول پر عمل پیرا ہونے والے مغربی ملکوں کو اپنی افرادی قوت کی کمی کا شدید احساس ہوا تھا۔ فرانس کسی دور میں دنیا کی ایک عظیم طاقت تھا۔ برتھ کنٹرول کی وجہ سے جنگِ عظیم میں بالکل پس

کم رہ گیا اور آج تک پہلے کی طرح اُبھر نہیں سکا۔ برطانیہ اسی وجہ سے آج دنیا کی چوتھی طاقت شمار ہوتا ہے جو کل تک دُنیا کی عظیم ترین مملکت تھی —— قدیم تاریخ ایسی بیشتر مثالیں پیش کر سکتی ہے، یونانیوں نے تاریخ میں بڑی ترقی کی اور ایک عرصہ تک تاریخِ عالم میں ان کا ڈنکا بجتا رہا۔ پھر انھوں نے بھی ضبطِ ولادت کی تحریک چلائی، جس سے ان کی آبادی کم ہوئی، دوسری طرف انہیں اپنے دُشمنوں سے جنگ لڑنا پڑی، اس طرح پہلے برتھ کنٹرول اور پھر جنگ، دونوں نے مل کر عظیم سلطنتِ رُوما کو اس طرح تہس نہس کر دیا کہ پُورے دو ہزار سال گزرنے کے باوجود آج تک یونانی اپنا وہ کھویا ہوا مقام حاصل نہیں کر سکے۔

اب تمام ترقی یافتہ ممالک دوبارہ افزائشِ نسل پر مجبور ہو رہے ہیں۔ کیونکہ امریکہ، برطانیہ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، ہالینڈ، جرمنی، ڈنمارک، سویڈن اور یونان کے کارخانوں کو چلانے اور روزمرہ کے کام پورے کرنے کے لیے انھیں بیرونی ممالک سے لوگوں کو اپنے ہاں بلانا پڑتا ہے۔

لیکن اس کے باوجود ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت مُسلمان مُلکوں میں ضبطِ ولادت کی تحریک کو فروغ دیا جا رہا ہے۔ تاکہ یہ لوگ اُبھر سکیں نہ اسلام دُنیا پر غالب آسکے، چنانچہ یہود، کمیونسٹ اور سرمایہ دارانہ استعمار، یہ تینوں مل کر مسلمانوں کو کمزور کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہتے ہیں اور سازشوں کے جال بُنتے رہتے ہیں[1]۔ دوسری طرف مسلمان اتنے بھولے ہیں کہ اس تحریک کے ذریعے مسلسل اپنی افرادی قوت کمزور کر رہے ہیں۔ سرکاری اور قومی سطح پر اس کے لیے زرِ کثیر صرف کر رہے ہیں۔ پاکستان میں بھی سالانہ بجٹ میں سے ایک خطیر رقم کنبہ بندی کے لیے وقف کی جاتی ہے۔ اگر وہی رقم زچہ و بچہ کا معیارِ صحت بہتر بنانے میں صرف کی جائے تو اس سے ملک کو کتنا فائدہ حاصل ہو؟ جب سے پاکستان میں اس تحریک نے زور پکڑا ہے، رب کی طرف سے بھی اس کا ردِ عمل ظاہر ہو رہا ہے۔ ۱۹۷۱ء میں سقوطِ ڈھاکہ کے ذریعے ملک کی نصف آبادی خود بخود کم ہو گئی۔ ۷۳ء میں سیلاب کی شکل میں اللہ کا عذاب آیا اور عظیم آبادی کا صفایا کر ڈالا۔ ۷۴ء کے آخر میں وادیٔ سوات میں جو

---

[1] ۲۳ مسلمان مُلکوں میں اس وقت برتھ کنٹرول کی تحریک چل رہی ہے۔

وہ آبادی کم کرنے کے لیے تو مدد دے سکتے ہیں، مگر یہ نہیں کر سکتے کہ ہمیں ٹریکٹر دیں تاکہ مزید زمین کو زیرِ کاشت لایا جا سکے۔ نہ کھاد کی فیکٹریاں قائم کرنے کے لیے امداد دے سکتے ہیں تاکہ ہمارا خوراک کا مسئلہ قطعی طور پر حل ہو سکے۔

ہولناک زلزلہ آیا، اُس نے زلزلہ کے تمام اگلے پچھلے ریکارڈ توڑ ڈالے۔ کیا اب بھی پاکستانی قوم نہیں سمجھتی کہ وہ خاندانی منصوبہ بندی کے ذریعے رب کے عذاب کو دعوت دے رہی ہے۔۔۔۔؟ اسے مسلسل اپنی آبادی کم کرنے کی فکر لگی ہوئی ہے، جب کہ اس کے متحدہ دشمن امریکہ، روس، اسرائیل اور ہندوستان کی افرادی قوت ہمارے مقابلے میں پندرہ سولہ گنا زیادہ ہے، پھر ان کے پاس جدید ترین اور بے شمار اسلحہ ہے۔ مہلک ہتھیاروں کی ان کے پاس کمی نہیں۔ رقبہ ان کا بے پناہ ہے۔ پھر ہم ایسے بے حس ہیں کہ برابر اپنی تعداد کم کرنے میں لگے ہوئے ہیں، جب کہ ہمارے پاس اسلحہ کی بھی کمی ہے اور افراد کی کمی بھی کیا واقعی ہماری حکومت دفاعِ وطن کے سلسلے میں مخلص ہے [۱]؟

خاص گھریلو نقطۂ نظر سے

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مردِ بے کار و زنِ تہی آغوش؟ (اقبالؒ)

عورتوں میں برتھ کنٹرول کی پالیسی مردوں کی نسبت زیادہ مقبول ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچوں کو پالنا، خصوصاً جب کہ وہ خود بھی بیمار ہوں، واقعتاً بڑا مشکل ہے۔ اور پھر آج کے دور میں جب کہ بچے بڑے ضدی اور سرکش واقع ہوئے ہیں، وہ پہلے سے معصوم اور فرمانبردار نہیں رہے۔ اس مسئلے کے تمام پہلوؤں پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا ہوگا۔

آنحضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

"الجنّۃ تحت اقدام الامّھات" (کنز العمّال)

"جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے"

اور دوسری روایت ہے "فَالزِمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ تَحْتَ رِجْلِهَا" یعنی آپؐ نے ایک صحابی کو (جو آپؐ سے جہاد میں شرکت کرنے کے لیے مشورہ کر رہے تھے) فرمایا کہ اپنی ماں کے پاس رہو اور اس کی خدمت بجالاؤ کیوں کہ جنت اس کے پاؤں کے نیچے ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ اللہ نے جنت ماں کے پاؤں کے نیچے رکھی ہے۔ ماں کا رتبہ اتنا عظیم کیوں ہے اور کیا واقعی ہر ماں اتنی عظیم ہے؟ ہمیں یہ بات اچھی طرح معلوم ہے کہ ماں کو یہ عظمت اسی ایثار، محنت اور لگن کی بدولت نصیب ہوئی ہے، جس کی بناء پر انسان عدم سے وجود میں آتا ہے،

---

[۱] اور اب ۱۹۹۲ء میں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ اگلے پچھلے تمام ذرائع صرف آبادی کنٹرول کرنے کے لیے جھونک دیئے گئے ہیں، اس کے علاوہ وہ گویا باقی تمام کاموں سے فارغ ہو چکے ہیں۔

اور جس کا وہ ابتدائی پرورش میں سخت محتاج ہوتا ہے۔ اب یہ بات تو ہو نہیں سکتی کہ پانچ چھ سال کے بعد ایک بچہ جنم دیا جائے، اس کو سہجے سہجے پال لیں، ساتھ ہمارے تفریحی مشاغل میں بھی کمی نہ آئے۔ بازاروں میں گھومنے پھرنے کا چسکا بھی کم نہ ہو، سینما، ریڈیو اور ٹیلی ویژن کا چسکا بھی پورا ہو، اور پھر ساتھ لگے ہاتھوں یہ عظیم مرتبہ بھی حاصل ہو جائے۔ یہ مرتبہ ہے ان ماؤں کا جو اولاد کو اللہ کی گراں بہا نعمت سمجھیں، ہر نومولود بچے پر اظہارِ تشکر کریں، پھر ان کی پرورش کے سلسلے میں جو جانکاہ مصائب ہیں، ان کو بہ نیتِ حصولِ ثواب خوشی و مسرت سے برداشت کریں۔ ان کو جا و بے جا گندی گالیاں اور بددعائیں نہ دیں، اپنے تمام غیر ضروری شوق چھوڑ دیں اور پرورشِ بچگان و تربیتِ اطفال کی خاطر اپنے آپ کو وقف کر دیں۔ اگر وہ اپنے فرائض خوشی و مسرت سے برداشت کرتی ہیں تو پھر ان کی صحت پر بھی خوشگوار اثر پڑے گا اور دل مطمئن رہے گا۔ عزم و ارادے کی بدولت تو پہاڑ بھی سر کیے جا سکتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر انسان مایوس ہو کر بیٹھ رہے اور دل میں سمجھ ہی یہ لے کہ "بچے" تو ایک جان لیوا روگ ہیں، بہت بڑا جنجال ہیں، تو پھر واقعی ایک دو بچے پالنا بھی اپنی ہمت سے بڑھ کر معلوم ہو گا اور طبیعت چڑچڑی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ مایوس قسم کے لوگوں کی صحت ہمیشہ گری رہتی ہے، اور چاہے انھیں زندگی کی کتنی سہولتیں میسر ہوں، ان کی صحت نہیں سنبھلتی۔ یہ نکتہ سمجھ لینے کے بعد اس کٹھن منزل کو طے کرنے کے لیے چند اور باتیں بھی ذہن نشین کرنا لازم ہیں:

۱۔ "لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا" (البقرۃ: ۲۸۶)

"اللہ تعالیٰ کسی بھی متنفس کو اس کی ہمت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔"

اگر ہمیں اپنے خالق و مالکِ حقیقی کی اس بات پر اعتماد ہو تو کبھی ضبطِ ولادت کی ضرورت پیش نہ آئے۔ اگر عورتوں کو اپنی صحت اور اپنی ذاتی مجبوریاں سامنے رکھ کر ازخود برتھ کنٹرول کرنے کی اجازت مل جائے تو پھر ہر عورت اس اجازت سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گی۔ کیونکہ انسان فطرتاً سہل پسند واقع ہوا ہے، ہر وقت اپنے لیے عیش و آرام کا متمنی رہتا ہے، اور جب تک اس پر زبردستی کوئی بار نہ ڈالا جائے، وہ اس کو انجام دینے سے گریزاں رہتا ہے، حالانکہ اس میں بار کو سہنے کی اہلیت ہوتی ہے۔

۲۔ اگر کثرتِ اولاد کی بدولت عورت کو کام زیادہ کرنا پڑتا ہے تو خود اس کا شوہر کون سا سُکھی ہے؟ اسے جتنے بچوں کی پرورش کرنی پڑتی ہے، میاں کو بھی تو اتنے بچوں کی روزی کا اہتمام

کرنا پڑتا ہے۔ اسے بھی عام حالات کی نسبت زیادہ تگ و دو کرنا پڑتی ہے — پھر عورتیں اس صورتِ حال سے خواہ مخواہ پریشان کیوں ہوں؟

۳- عموماً دیکھا گیا ہے کہ جہاں اولاد زیادہ ہوتی ہے، وہ دوسرے بچوں کی نسبت خوب صورت، عقلمند، ذہین اور مستعد ہوتی ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو شروع بچپن ہی سے اپنا سہارا آپ بننا پڑتا ہے، جب کہ دوسرے بچے عام حالات میں چار پانچ سال تک، یا جب تک اور بچہ پیدا نہیں ہوتا، ماں کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتے۔ اس طرح ماں کو ہر حال میں ایک سی تکلیف اٹھانا پڑتی ہے اور ہر قسم کے حالات میں اپنے دست و بازو پر بھروسہ کرنا پڑتا ہے، اپنا مستقبل خود بنانا پڑتا ہے۔ جب کہ دوسرے بچے، جو تعداد میں صرف دو تین ہوں، تو ان کے والدین ہر مرحلے میں ان کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور ان کے لیے لمبی چوڑی جائیدادیں چھوڑ کر جانے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ایسے لوگ جو کافی عرصہ تک والدین کے سہارے کے محتاج رہیں، زندگی کے میدان میں عموماً نکمے ثابت ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تاریخ میں بلند و بالا مقام انہی لوگوں کو ملا ہے جو بچپن سے غریب تھے، اور اپنے دست و بازو پر بھروسہ کرتے ہوئے میدانِ عمل میں ترقی کرتے چلے گئے۔ تاریخ ایسے لوگوں کے نام پیش کرنے سے تقریباً قاصر ہے، جنھوں نے سونے چاندی کے سکوں کی کھنکار میں آنکھ کھولی ہو اور پھر وہ صفحۂ ہستی پر اپنے لازوال نقوش بھی ثبت کر گئے ہوں۔ بقولِ اقبال ؒ

فطرت کے مقاصد کی کرتا ہے نگہبانی
یا بندۂ صحرائی یا مردِ کہستانی

۴- کیا معلوم کہ برتھ کنٹرول کرنے سے آپ کسی نابغۂ عصر اور نادرۂ روزگار کو وجود میں آنے سے روک رہی ہوں، جس کا پیدا ہونا پورے خاندان کے لیے مایۂ صد فخر ثابت ہو۔

۵- جن عورتوں نے اس ضمن میں کسی قسم کا بھی علاج کیا ہے، ان کی صحت اس سے ازحد متأثر ہوتی ہے۔ کئی عورتیں ایسی دیکھی گئی ہیں جن کو اولاد کم ہونے کی بناء پر طرح طرح کے عوارض لاحق ہو گئے ہیں — تو پھر جب برتھ کنٹرول صحت کو مسلسل گرانے کا ذمہ دار ہے، تب "آگے کنواں پیچھے کھائی" کے مصداق برتھ کنٹرول کی لعنت ہی کیوں مول لی جائے؟

۶- زیادہ بچے پیدا ہوں تو عموماً ان میں سے کچھ بچپن ہی میں داغِ مفارقت دے جاتے ہیں۔ یہ بچے (بشرطِ صبر و رضا) روزِ قیامت اپنے والدین کے لیے باعثِ مغفرت ثابت ہوں گے۔

اور اگر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ کاملہ سے سب بچوں کو جوان کر دے اور والدین انہیں مسلسل تربیت کے ذریعہ مخلص مسلمان بنانے کی پوری سعی کریں تو آٹھ دس بچوں میں سے آخر دو تین بچے بھی ایسے نہ ہوں گے جو اپنی خوبیوں کی بنا پر ہمارا نام روشن کریں، ہمارے مرنے کے بعد ہمارے لیے دُعائے خیر کرتے رہیں اور روزِ قیامت ہمارے لیے نجات و مغفرت کا ذریعہ بنیں؟ اس طرح یہ صرف اولاد ہی ہے جو صحیح معنوں میں اپنے والدین کی آنکھیں ٹھنڈی کر سکتی ہے۔

۷۔ یہ منزل بلاشبہ بڑی کٹھن ہے، مگر اس سے گریز کرنے کے بجائے اللہ سے اس کے لیے توفیق اور حوصلہ مانگیں۔ یہ قرآنی دُعاء اکثر اللہ کے حضور صمیم قلب سے پڑھتی رہیں:

"رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا" (الفرقان: ۷۴)

"اے اللہ ہمیں ہماری جوروؤں اور ہماری اولادوں سے آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب فرما اور ہمیں پرہیزگاروں کا امام بنا دے۔"

"رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ" (الاحقاف: ۱۵)

"اے میرے ربّ مجھے توفیق دے کہ میں ان نعمتوں کا شکر بجا لاؤں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائی ہیں، اور مجھے ایسے نیک عمل کی توفیق عطا فرما جس سے تو راضی ہو جائے اور میری اولاد کی اصلاح فرما دے۔ میں تیرے حضور توبہ کرتی ہوں اور بے شک میں تیرے فرماں بردار بندوں میں سے ہوں۔"

یقین مانیں، جتنا اللہ تعالیٰ پر ایمان قوی ہوگا، اتنی ہی منزل آسان ہوگی۔ بلکہ ایمان و یقین کی دولت کے بغیر یہ کٹھن منزل طے نہیں ہو سکتی، وجہ یہ ہے کہ آج کل فیملی پلاننگ کی وبا زوروں پر ہے اور اس سے گریز کرنے والوں کے لیے اللہ کی طرف سے شدید آزمائش آن پڑی ہے تاہم اپنے ایمان کو بچانے کا صحیح طریقہ یہی ہے کہ جب دوسرے لوگ طرح طرح کی ترغیب و تحریص کے ذریعے ایک ناجائز کام کو جائز ثابت کرنے میں مصروف ہوں، تو اتنی ہی شدت سے اس کے آگے انسان ڈٹ کر کھڑا ہو جائے۔ جس طرح صادق الایمان مسلمانوں کے لیے شراب و قمار اور سود وغیرہ

سے اجتناب ضروری ہے، بعینہٖ برتھ کنٹرول کی وبا سے اجتناب لازم ہے۔

ہمارے سامنے ہمارے ہادی و رہنما حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ کا اُسوۂ حسنہ ہے، آپؓ دس سال حضرت علیؓ کے نکاح میں رہنے کے بعد اس دنیا سے رحلت فرما گئیں۔ ان دس سالوں میں آپؓ کے بطنِ اطہر سے چھ بچے پیدا ہوئے تھے (ان میں سے دو بچے بچپن ہی میں چل بسے تھے) گھر میں مفلسی و ناداری تھی، گھر کا سارا کام بھی وہ خود سرانجام دیتی تھیں، اور ان تمام مشکل مراحل سے نپٹنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپؓ کو ایک نسخۂ کیمیا بتا دیا تھا کہ رات کو سوتے وقت ۳۳ بار سبحان اللہ، ۳۳ بار الحمدللہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کریں، یوں کثرتِ کار سے تکان نہ ہوگی۔ یہی وِرد بکثرت ہماری زبان پر جاری رہنا چاہیے۔ البتہ جب ڈاکٹر گواہی دے کہ حمل کی صورت میں ماں کی جان کو خطرہ ہے، یا معذور قسم کے بچے پیدا ہونے لگیں، یا کوئی اور ایسی ناگزیر وجہ سامنے آجائے تو پھر برتھ کنٹرول کی کوئی مناسب تدبیر اختیار کی جاسکتی ہے۔ مگر یہ بھی اشد مجبوری کے وقت حرام سمجھتے ہوئے کرنی ہوگی، جیسا کہ موت کے خطرہ کے پیشِ نظر حرام رزق کھانے کی اجازت ہے۔ وگرنہ عام حالات میں ہمارا یہ ایمان ہونا چاہیے کہ غذائی معاملات میں دخل دے کر ہم سوائے ذاتی اُلجھنوں کے اور کسی چیز میں اضافہ نہیں کر سکتے۔ اور انسان جب بھی کبھی فطرت سے آمادۂ پیکار ہوگا، فطرت اس کو مسلسل پریشانیوں اور بیماریوں میں مبتلا کرکے رہے گی۔

محترم قارئین سے گزارش ہے کہ

- صفحہ ۲ پر موجود "فہرست مضامین" سے اوپر کی ابتدائی سطور بغور پڑھ لیں، تاکہ "محرّبین" آپ کو باقاعدگی سے ملتا رہے اور ادارہ کو بھی بلاوجہ نقصان نہ ہو۔
- خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں ـــــ آپ کی معمولی سی توجہ ادارہ کو غیر ضروری محنت اور تضیع وقت سے بچائے گی ـــــ

ـــــ جزاکم اللہ احسن الجزاء!

(مینجر)